بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

افسوس ہے پچھلے مہینہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے ۹۲ برس کی عمر میں مری میں انتقال کیا اور کراچی میں دفن ہوئے۔ وہ غالباً علی گڈھ کے سب سے پرانے طالب علم تھے جنھوں نے سرسید احمد خاں، مولانا شبلی، مولانا حالی اور اس زمانہ کے دوسرے اکابر علم وادب سے استفادہ کیا اور ان کی صحبتوں اور مجلسوں سے فیض پایا تھا۔ وہ ۱۸۷۰ء میں ضلع میرٹھ کے ایک قصبہ ہاپوڑ میں پیدا ہوئے۔ یہاں مڈل تک تعلیم پائی۔ پھر علی گڈھ چلے آئے اور یہاں سے ۱۸۹۴ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد حیدرآباد منتقل ہو گئے جہاں ان کی زندگی کے بہترین ایام بسر ہوئے۔ ایک اسکول کے ہڈماسٹر مقرر ہوئے پھر انسپکٹر آف اسکولز کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس سے ترقی کی تو اورنگ آباد کالج کے پرنسپل بنائے گئے۔ اس کے بعد مولوی وحیدالدین سلیم کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ جامعہ عثمانیہ میں اردو کے پروفیسر ہوئے۔ موصوف جہاں اور جس حیثیت میں رہے اپنی لیاقت وقابلیت، حسنِ کارکردگی اور فرض شناسی کے باعث نمایاں اور ممتاز ہو کر رہے۔ لیکن قدرت نے جس اصل کام کے لئے پیدا کیا تھا اور جس کے باعث انھیں بڑی شہرت اور عظمت نصیب ہوئی وہ ابھی اپنی تکمیل کے لئے ان کے واسطے چشم براہ تھا۔ چنانچہ جب وہ انسپکٹر آف اسکولز تھے انھیں دنوں (۱۹۱۲ء میں) انجمن ترقی اردو کے سکریٹری منتخب ہوئے۔ انجمن اب تک محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن مولوی عبدالحق صاحب نے اس کو اتنی ترقی دی کہ وہ جلد ہی ایک مستقل انجمن بن گئی اور اس کی سرگرمیوں کا حلقہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

انجمن کے سکریٹری منتخب ہونے سے لیکر اپنی زندگی کے آخری سانس تک موصوف نے اردو زبان وادب کی ہمہ جہتی خدمات جس محنت واستقلال، عزم وہمت اور ایثار وقربانی کے ساتھ کم وبیش ایک نصف صدی تک انجام دی ہیں وہ صرف اردو زبان وادب کے حلقوں میں نہیں بلکہ تاریخ کے بڑے لوگوں کی صف میں جگہ دینے کے لئے کافی ہیں۔ وہ بیک وقت اردو کے صاحب طرز ادیب اور محقق بھی تھے اور بلند پایہ خاکہ نگار و لغت نویس

بھی، او نچے درجہ کے مؤلف و مصنف بھی اور مترجم بھی۔ وہ خود بھی بے تکان اور پابندی سے کام کرتے تھے اور دوسروں سے کام لینا اور انھیں کام کا آدمی بنانا بھی خوب آتا تھا۔ بڑھاپے میں اس مستعدی اور حاضر حواسی سے اپنے فرائض انجام دیتے تھے کہ اچھے اچھے نوجوان بھی اُن کے سامنے پانی بھرتے نظر آتے تھے انھیں اُردو زبان کے ساتھ سچ مچ والہانہ عشق تھا اور اس کے لئے انھوں نے اپنی ہر چیز قربان کر دی تھی۔

تقسیم کے بعد موصوف دلی سے کراچی منتقل ہو گئے اور واقعہ یہ ہے کہ اُن کا یہ انتقال بہت ہی مجبوری کی حالت میں ہوا ورنہ وہ ہندوستان میں ہی رہ کر اُردو کے لئے مرجانے کی آس لگائے بیٹھے تھے) اور خیال تھا کہ وہاں اُردو کو مخالفتوں سے واسطہ اور اپنوں کی بے توجّہی کا گلہ نہ ہوگا لیکن اس کے برعکس انھیں وہاں بھی اردو کے لئے اپنوں اور بیگانوں سے وہی جنگ کرنی پڑی جو وہ ہمیشہ کرتے چلے آئے تھے، پاکستان کی موجودہ حکومت نے بے شبہ اُن کی قدر شناسی کی اور اب وہ اس قابل ہوئے تھے کہ حکومت کی توجّہ اور امداد سے اُردو کا کام خاطر خواہ انجام دے سکیں مگر اب اُن کا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا۔ شعر

ہائے کس وقت ہوئیں دونوں مرادیں حاصل یار بالیں پہ جو آیا تو قضا بھی آئی

ابھی مولوی عبدالحق کو دنیا سے سدھارے پورا ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے ملتان میں وفات پاجانے کی خبر ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ شاہ جی نجیب الطرفین یعنی والد اور والدہ دونوں کی طرف سے سیّد تھے۔ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی سید محمد شاہ بخاری اور سیّد عبدالغفار بخاری جو اکابر اولیا و صوفیا میں سے تھے اسی خاندان کے مورثانِ اعلیٰ میں سے ہیں۔ شاہ جی کے خاندان میں جو بزرگ سب سے پہلے ہندوستان آئے وہ سیّد اکمل الدین بخاری تھے جنھوں نے حضرت شاہ غلام علی دہلوی سے سند خلافت حاصل کر کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں پنجاب کے ضلع گجرات میں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی۔ مرحوم کی والدہ سیّدہ فاطمہ اور اُن کے دادا میر سیّد عبدالسبحان کشمیر سے منتقل ہو کر عظیم آباد پٹنہ میں آ بسے تھے۔ اُن کی بیٹی حضرت خواجہ باقی باللہ کی نواسی تھیں اس طرح حضرت خواجہ شاہ جی کے ننھیالی بزرگوں میں شامل ہیں۔ شاہ جی کی والدہ کے انتقال کے بعد اُن کے والد سیّد ضیاء الدین نے بیٹے کو نانا نانی کے پاس چھوڑا اور گجرات لوٹ آئے جہاں عقد ثانی کر لیا۔ اس طرح شاہ جی کی ابتدائی تعلیم و تربیت